قسط ۱

فلسطین کی ممتاز شاعرہ: فدویٰ طوقان

حقانی القاسمی، نئی دہلی

فدویٰ طوقان ۱۹۱۷ء میں نابلس کے ایک ممتاز علمی خانوادے میں پیدا ہوئیں مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد صرف کتاب اور معلّمہ سے اپنا رشتہ رکھا۔ کتابیں بہت ہی ذوق، شوق اور لگن کے ساتھ پڑھنے کی عادی تھیں۔ ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان پر استانی کی خاص توجہ تھی گھر اور مدرسے دونوں ہی جگہوں میں انہیں ہمہ وقت علم اور معرفت کی پیاس رہتی تھی۔ اس لئے اعلیٰ تعلیم کے حصول کا شوق دل میں موجزن تھا۔ مگر نابلس میں لڑکیوں کے تعلیمی ادارے سماجی رسوم و قیود کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کے حصول سے لڑکیاں محروم تھیں، یہ صورت حال فدویٰ جیسی تخلیقی مزاج رکھنے والی لڑکی کے لئے انتہائی ناخوشگوار تھی، اس لئے انسانی آزادی کی معاند فضا اور سماجی جبر کے خلاف باغیانہ جذبہ اندرونی طور پر فدویٰ کے دل میں پیدا ہونے لگا جس کا بے باکانہ اظہار بعد میں انہوں نے کیا۔ اس دوران اگر کتابوں سے لگاؤ نہ ہوتا تو شاید سماجی گھٹن سے مرجاتیں [1]

---

[1] وداد سکاکینی، نساء شہیرات فی الشرق والغرب (القاہرہ ۱۹۵۰ء) ص ۷۵، ۷۶۔

فدوی کے دل میں شعر کہنے کا جذبہ اس طرح بیدار ہوا کہ انہوں نے قریبی سے اپنے بھائی ابراہیم طوقان کو شعر و ادب کی دلچسپ سرگرمیوں میں منہمک پایا تو دل میں شعر کہنے کی خواہش کروٹ لینے لگی۔ چنانچہ اپنے بھائی سے مشورۂ سخن کی آرزو مند ہوئیں۔ اور پابندیوں کے باوجود ابراہیم نے ان کی شعری تربیت پر دیافت کی اور فدوی نے فن اخوب صورتی اور آزادی کی خاطر اپنی خواہشات کا اظہار شروع کر دیا، ماحول کی جبریت اور پابندیوں کے تعلق سے اپنی ڈائری اسم عہد طفل کی کیفیات فدوی نے یوں درج کی ہیں:

"اس (اجنبی دوست) نے میری زندگی اور لڑکپن کے زمانے کے حالات دریافت کئے تو میں نے اسے بتایا کہ کیسی کڑی پابندیاں تھیں جن میں میں نے اپنی زندگی کے وہ دن گذارے تھے، اور کیسے میری نسوانیت قفس میں بند ایک زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتی اور کراہتی تھی، اور نجات کی کوئی صورت نظر نہ پڑتی تھی گھر میں ہر چیز کی ممانعت تھی، ہنسنا، گانا اور عود بجانا جو میرا پسندیدہ مشغلہ تھا اور میں نے چوری چھپے سیکھا تھا، یہ سب باتیں ممنوع تھیں۔ میں ان دنوں ایک ایسے جوان رعنا کے خواب دیکھا کرتی جس سے میں رشتۂ محبت استوار کر سکوں۔ مجھے اپنی ہم جنس لڑکیوں کی صحبت میں کبھی لطف نہ آتا اور نہ میں کبھی خواہش کرتی میرا اجنبی دوست بنسے بغیر نہ رہ سکا جب میں نے اسے یہ واقعہ سنایا کہ کیسے میرے والد باوجود گھر میں اتنی بندشوں، تنگیوں اور پابندیوں کے مجھے ترغیب دیتے کہ میں بھی اپنے بھائی ابراہیم کی طرح سیاسی اور قومی موضوعات پر شعر کہا کروں، چنانچہ جب بھی کوئی قومی یا سیاسی واقعہ رونما ہوتا، میرے والد مجھ سے نظم لکھنے کی فرمائش کرتے، اور میں اپنے نفس کی گہرائیوں سے ان کے اس مطالبے پر احتجاج کرتی اور اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جاتی، وہ کیسے مجھ سے

یہ امید رکھتے ہیں، میں اپنے آپ سے کہتی کہ سیاسی شاعری کروں جبکہ میں چہار دیواری میں مقید ہوں۔ میں ایسی شاعری کا مواد کہاں سے لاؤں؟ کیا محض اخبارات اور رسالوں کے مطالعے سے؟ اخباروں اور رسالوں کا مطالعہ اپنی جگہ اہم ہی لیکن اس سے شعر کی چنگاری تو نہیں بھڑک سکتی۔ ایک شاعر اپنے اردگرد کی زندگی اور دنیا کے بارے میں لکھ ہی کیا سکتا ہے جب تک اسے ان چیزوں کا براہ راست علم نہ ہو؟ ______ میں اس کے برعکس دیواروں اور روایتوں کی قید میں ہوں۔ نہ میں مردانہ مجلسوں میں جا سکتی ہوں، نہ سنجیدہ قسم کی بحثیں سن سکتی ہوں اور نہ زندگی کی تگ و تاز میں حصہ لے سکتی ہوں، پھر کیسے آپ مجھ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ میں ایک ایسے موضوع کے بارے میں لکھوں گی جسے میں اپنی اس عمر میں پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتی اور جسے میرے اندر برپا ہونے والی نفسیاتی ہلچل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میری نفسیاتی زندگی کا دھارا اس دھارے سے بالکل مختلف تھا جس کے ساتھ بہنے کے لئے میرے والد مجھ سے کہتے تھے۔ اس طرح مجھے سیاست سے متنفر ہونے کا عارضہ لاحق ہو گیا اور کئی برس تک میری سیاسی حس ماؤف رہی۔[۲]

فدویٰ کو اپنی زندگی میں تین چیزیں بہت پسند تھیں جس کے گہرے اثرات ان کی شاعری پر پڑے ہیں۔ "ڈائری" میں اس پر یوں روشنی ڈالتی ہیں:

"میرے نزدیک زندگی تین عناصر سے مرکب ہے محبت، کتابیں، اور سفر میری نفسیاتی ترکیب اس تثلیث کے عین مطابق ہے۔ میں نے ان میں پہلی چیز کا تجربہ کیا ہے اور انتہائی گہرائی میں جا کر۔" رہی دوسری چیز تو وہ میری

۲۔ محمد کاظم، مضامین (لاہور، ۱۳۹۹ء) ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

زندگی کا جز و لازم ہے۔ اور تیسری چیز سفر ہے بھی مجھے بہرہ وافر ملا ہے۔ مجھے سیر و تفریح سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ میرے اندر ہر اس چیز کے لئے جو انسان سے تعلق رکھتی ہو، ایک دلچسپی اور آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ سفر میرے اندر ایک انبساط پیدا کرتا ہے۔ میں اپنے آپ کو آزاد اور خود مختار محسوس کرتی ہوں اور مجھ میں اس زندگی کو شدت اور سرگرمی کے ساتھ بسر کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے"۔ ؎۳

فدوی کو ادب سے گہری دلچسپی تھی ان کا خیال ہے کہ "ادب ہی ہے جو کسی قوم کو اس کے مستقبل کے خواب دکھلاتا اور انکی صورت گری کرتا ہے ادب ہی کے بدولت ہم اپنے شعور کی سطح پر بیدار ہوتے ہیں اور ایک آزاد، باعزت زندگی کی خاطر ٹکر لینے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ ادب و فن ہی سے ہمارے اندر جذبہ افتخار جاگتا ہے۔ ہمارے عزائم بلند ہوتے ہیں۔ اور افراد قوم کا مورل ترقی کرتا ہے" ؎۴

اسی وجہ سے فدوی نے نہ صرف عربی ادب کا مطالعہ کیا تھا بلکہ عالمی ادبیات پر خصوصی نگاہ رکھتی تھیں، انھوں نے جہاں سلامہ موسیٰ (۱۸۸۷ - ۱۹۵۸) عباس محمود العقاد (۱۸۸۹ - ۱۹۶۴) اور عبدالقادر المازنی (۱۸۹۰ - ۱۹۴۹) کی تحریریں خصوصی طور پر پڑھیں۔ وہیں علم نفسیات اور ناول سے بھی اپنے ذہنی افق کو وسعت دینے کی کوشش کی۔ اور اعلیٰ سطح کے مغربی ناول نگاروں میں سے ٹالسٹائے (L.TOLSTOY) دوستوویسکی (FYODOR DOSTOYEVSKEY) ہکسلے

؎۳ محمد کاظم، مضامین (لاہور، ۱۳۹۹ھ) ص ۱۵۴۔

؎۴ " " " " ۱۵۳۔

(HUXLEY) ڈی۔ ایچ۔ لارنس (D.H.LAWRANCE) گراہام گرین

(GRAHAM GREEN) سمرسٹ مام ( )

ارنسٹ ہمنگوے (EARNEST HEMINGWAY) ولیم فاکنر

(WILLIAM FAULKNER) مارسیل پروست (MARCEL PROUST)

کو بھی پڑھا جس میں انہیں انسانی علم کا مجموعہ نظر آیا فکر و شعر، فلسفہ، تحلیل نفس جیسی چیزیں نظر آئیں۔ اور جن کی تحریروں میں دنیا زندگی اور حرکت سے بھرپور محسوس ہوئی۔[۵] اور نہ صرف ادبی بلکہ تاریخی، معاشرتی فلسفیانہ اور دیگر علوم سے متعلق کتابیں پڑھیں۔ اور چہار دیواری میں مقید فدوی کے ذہنی دریچے کھل گئے اور نئے فکری اور فلسفیانہ رجحانات سے آشنائی ہوئی، ابو العلا معری اور عمر خیام کے ذریعے مجہولات کو جاننے کا شوق پیدا ہوا، اور خاص طور پر جسم سے روح کی حرکت سے تعلق سے معری سے خاص دلچسپی ہوئی۔ اور خیام کی طرح ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان کی قبر پر زیتون کے درخت اگیں اور پھول اور بیلیں پھوٹ نکلیں۔[۶]

ایک زمانے تک فدوی نے خود کو سیاست سے دور رکھا۔ اور خود کو اپنی ذات میں مقید کر لیا مگر فلسطین کی آزاد پسند خواتین (یاسمین زہران، لبیبہ صلاح بشریٰ صلاح، سباعرفات، اور عفاف جو امریکی اور برطانوی جامعات سے فارغ التحصیل تھیں) کی ادبی صحبت اور معیت میں رہیں۔ اور جمیل البدیری، کمال ناصر

(جاری)

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

---

[۵] فدوی طوقان: "صراعی فی الحیاۃ بین حبی للناس وخوفی منہم" مجلہ "الدوحہ" (مایو ۱۹۸۱ء)

[۶] دیکھئے: محمد کاظم، مضامین (لاہور ۱۳۹۹ھ) ص ۱۵۷۔